

حالی کا یونان..... ایک مطالعہ

زاہد منیر عامر

Abstract:

Maulana Altaf Hussain Hali (1837-1914) was a great Urdu poet and reformer. He wrote many books like Hayat e Javid, Yadgar e Ghalib Hayat e Saadi and Muqaddima e Sher o Shairi etc. His lengthy poem Musaddas e Maddo Jazr e Islam has earned great fame and popularity during its time and afterwards. In this article imprints of Greek civilization on Hali's mind and art are discovered. This article shows Halli's great interest in Greek's contribution to the field of knowledge and civilization. Different aspects of the topic have also been discussed for the first time at length.

اسکول کے زمانہ طالب علمی میں جب تفریح کی گھنٹی بجتی میرے قدم فوراً اردو بازار کا رخ کیا کرتے تھے۔ تفریح کا سارا وقت کتابوں کی دکانوں پر سیر کتب میں گزرتا تھا۔ اردو بازار کے آغاز ہی میں ایک چھوٹی سی دکان کے شوکیس میں سچی ہوئی دو چھوٹی چھوٹی کتابیں مجھے اپنی طرف متوجہ کیا کرتی تھیں۔ یہ کتابیں مدتوں وہاں سچی رہیں۔ زندگی میں عجیب بھراؤ تھا، وہ دکان بھی اسی طرح رہی اور اس کا شوکیس بھی اور اس شوکیس میں سچی ہوئی کتابیں بھی، یہ سارا منظر آج بھی ایک تصویر کی طرح میری نگاہوں میں سجا ہوا ہے۔ وہ دو کتابیں تاج کمپنی کے شائع کردہ مسدس حالی اور دیوان غالب کے پاکٹ سائز ایڈیشن تھے۔ نستعلیق کی خوب صورت مصغر خطاطی، بلاک کی پرنٹنگ، اخباری کاغذ، ٹائٹل اور پہلا صفحہ رنگین باقی صفحات معرئی، آخر میں مشکل الفاظ کی فرہنگ۔ میں مدتوں ان کتابوں کو وہاں دیکھتا رہا۔ وہ وقت زرا بعد میں آیا جب یہ کتابیں اس شوکیس سے نکل کر میری ملکیت میں پہنچیں اور میں ان کا قاری بنا۔ مسدس حالی کو کھولتے ہی بقراط سے تعارف ہوا۔ انہی دنوں مجھے کسی کہنہ فروش سے سر شہاب الدین کا کیا ہوا مسدس حالی کا پنجابی ترجمہ بھی مل گیا۔ اس ترجمے کا پہلا شعر

”کسے پچھیا جا بقراط کولوں

کیہڑے روگ نے جان نوں مار دے جی“ ۱

آج بھی یادداشت کی لوح پر روشن ہے۔ کتاب کے آخر میں درج فرہنگ نے اس یونانی حکیم کا زمانہ سکندر سے سو برس پہلے بتایا اس کا تعلق ”قدیم دار الخلافہ شام یعنی شہر حمص سے“ بتایا اور یہ کہ ”عربی طب میں سب

سے پہلے اسی کی کتابوں کا ترجمہ ہوا ہے“ ۲۔ یہ تو بہت بعد میں پتہ چلا کہ بقرط کی ولادت یونان کے جزیرے قوس میں ۴۶۰ ق۔م میں ہوئی لیکن اس کا قیام ایک مدت تک حمص اور دمشق میں رہا بلکہ دمشق کے اس باغ میں جہاں وہ درس دیا کرتا تھا ”صفہ بقرط“ آج بھی موجود ہے۔ اپنی جنم بھومی کے طور پر اس نے یونان سے وفاداری نبھائی۔ ایک بار جب ایران میں وبا پھیلی تو وہاں کے بادشاہ ارتخشست Artaxerxes Longimanus نے بقرط سے ایران آجانے کی درخواست کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ایران اور یونان ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اس پر بقرط نے بڑی بڑی رقوم اور انعامات پر مبنی یہ پیش کش یہ کہہ کر ٹھکرا دی کہ ”اس کا اولین منصب اپنے ہم وطنوں کی خدمت ہے“ ۳۔ بعد کے زمانوں میں مسدس حالی سے تعارف بڑھا تو معلوم ہوا کہ مسدس میں یونان کا ذکر صرف بقرط تک محدود نہیں بلکہ اس میں تو جگہ جگہ یونان کی جلوہ گری ہے۔ ایک زمانے میں جب میں پاکستان ٹیلی ویژن پر ایک طویل سلسلہ وار ٹی وی پروگرام میں تاریخ اسلام پر گفتگو کیا کرتا تھا تو اس میں ناظرین کی دلچسپی کے لیے کچھ اشعار کی گائیکی بھی شامل کی جاتی تھی۔ اس مقصد کے لیے میں نے مسدس حالی سے بہت سے اشعار انتخاب کیے۔ میرے ذاتی نسخے پر اب بھی پروگرام نمبر کی قید سے نشان زد کیے ہوئے یہ اشعار موجود ہیں۔

مسدس میں یونان کا تذکرہ مختلف حوالوں سے آتا ہے۔ حالی کے نزدیک یونان، علم و فن کی ایک علامت ہے۔ وہ جب دنیا کی مختلف اقوام میں علم و فن کی ترقی کا ذکر کرتے ہیں تو عرب، عجم، ہند اور مصر کے ساتھ یونان کا ذکر ضرور کرتے ہیں..... عرب اور عجم ہند اور مصر یونان..... ۴۔ وہ کہتے ہیں کہ ان تمام اقوام کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ انسانوں کے لیے سرمایہ فخر، علم ہی ہے یہ ایک ایسا دعویٰ تھا کہ جس سے کسی کو اختلاف نہ تھا۔ اسی طرح عربوں کی جہالت کے مضمون میں انھیں زمانے کے علوم سے ناواقف دکھانے کے لیے انھوں نے ماضی میں جن خطوں کو علوم و فنون میں ترقی یافتہ دکھایا، ان میں یونان سرفہرست ہے۔ عرب میں پہاڑوں اور ٹیلوں کے سوا اگر کچھ اور تھا تو وہ کھجوروں کے جھنڈ اور خار مغیلاں تھے جب کہ یونان کا علم و فن اس قابل تھا کہ اہل عرب اس سے آگاہ ہوتے وہ کہتے ہیں ۵۔

نہ واں مصر کی روشنی جلوہ گر تھی

نہ یونان کے علم و فن کی خبر تھی ۵

اسی مضمون کو مختلف رنگوں میں آگے بڑھایا ہے۔ جب ظہور اسلام کا ذکر کرتے ہیں تو اس بات کو واضح کرتے ہوئے کہ عرب کا خطہ، یونانیوں ایسے علوم و فنون سے یکسر بے خبر تھا۔ ظہور اسلام سے علوم و فنون کی جو شمع روشن ہوئی اس نے ارسطو اور افلاطون کے علوم کو زندہ کیا اور ہر شہر و قریہ کو یونان بنا دیا جس سے ان کے نزدیک ارسطو، افلاطون اور بقرط جیسی شخصیات کے علمی مقام و مرتبے کا اندازہ ہوتا ہے ۶۔

وہ لقمان و سقراط کے درمکنوں
وہ اسرار بقراط و درس فلاطون
ارسطو کی تعلیم، سولن کے قانون
پڑے تھے کسی قبر کہنہ میں مدفون
یہیں آ کے مہر سکوت ان کی ٹوٹی
اسی باغ رعنا سے بوان کی پھوٹی ۶

گویا اہل اسلام نے دانش لقمان و سقراط کو زندہ کیا۔ لقمان و سقراط کے حوالے سے حالی کی بات اعتقادی حوالے سے بھی درست ہے کہ یہ دونو توحید کے پرستار تھے اور اسلام نے زمانے بھر میں توحید کا اجالا کیا۔ ارسطو اور افلاطون کے علوم کے احیا میں تاریخی صداقت موجود ہے کہ ابن رشد جیسے فلسفیوں نے جو ارسطو کی منطق کے شیدائی تھے، بے یونانی فلسفے کو عربی میں منتقل کر کے جدید دنیا تک اس کے تعارف کو ممکن بنایا۔ ارسطو کی تصانیف کے انگریزی تراجم، عربی تراجم ہی کی مدد سے کیے گئے۔ اگر عربوں نے اپنے دور عروج میں ان متون کو عربی میں محفوظ نہ کیا ہوتا تو انگریزی، اپنے دور عروج میں انہیں کہاں سے حاصل کرتی؟ ان کے ساتھ ساتھ سولن کا ذکر بھی ہے۔ آج کا قاری تو سولن کو بھارتی ریاست ہماچل پردیش کے ایک شہر کے نام کے طور پر ہی جانتا ہوگا لیکن حقیقت میں سولن (۶۳۰ یا ۶۴۰ ق م..... ۵۶۰ ق م) یونانی جمہوریت کے بنیاد گزاروں میں سے ہے۔ حالی نہ صرف اس سے واقف ہیں بلکہ وہ اس کی دانش کے خاص شعبے یعنی قانون دانی و قانون سازی کی جانب بھی اشارہ کر رہے ہیں۔ مسدس کے حاشیے میں تو اس کی نسبت حالی نے اتنا ہی بتایا کہ ”سولن یونان کا مشہور مفقن ہے، یہ بھی ایتھنز کا مشہور باشندہ تھا“ ۷ لیکن مقدمہ شعر و شاعری میں سولن کے بارے میں تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالی، سولن سے سرسری طور پر نہیں اچھی طرح واقف تھے۔ مقدمے میں انھوں نے جہاں شعر کی تاثیر کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ قوموں کی تاریخ میں شعر اور شاعروں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں، وہاں وہ یونان کی قدیم تاریخ کے ایک واقعے کا ذکر کرتے ہیں جس کے مطابق زمانہ قدیم میں ایتھنز اور مگارا والوں میں جزیہ سلمیس پر قبضے کے لیے کئی جنگیں ہوئیں جن میں ایتھنز والوں کو برابر شکستوں کا سامنا رہا۔ مسلسل شکستوں سے دلبرداشتہ ہو کر وہ لڑائی سے دست بردار ہو گئے۔ صرف یہی نہیں بلکہ مسلسل لڑائیوں سے تنگ آ کر انھوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جو شخص اس لڑائی کا ذکر کرے یا دوبارہ لڑنے کی تحریک کرے گا، اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اس زمانے میں یہ قول حالی ”ایتھنز کا مشہور مفقن سولن زندہ تھا اس کو نہایت غیرت آئی اس نے اہل وطن کو پھر لڑائی پر آمادہ کرنا چاہا۔ وہ دانستہ مجنون بن گیا جب ایتھنز میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ سولن دیوانہ ہو گیا ہے اس نے کچھ اشعار نہایت درد انگیز لکھے اور پرانے زدہ [زدہ] کپڑے پہن کر اور اپنے گلے میں ایک رسی اور سر پر پرانی چادر

ڈال کر گھر سے نکلا۔ لوگ یہ حال دیکھ کر اس کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ ایک بلندی پر جہاں اکثر فصحا، منادی کیا کرتے تھے جا کھڑا ہوا اور اپنی عادت کے خلاف اشعار پڑھنے شروع کیے جن کا مضمون یہ تھا ”کاش میں ایتھنز میں پیدا نہ ہوتا بلکہ عجم یا بریا کسی اور ملک میں پیدا ہوتا جہاں کے باشندے میرے ہم وطنوں سے زیادہ جفاکش، سنگدل اور یونان کے علم و حکمت سے بے خبر ہوتے۔ وہ حالت میرے لیے اس سے بہت بہتر تھی کہ لوگ مجھے دیکھ کر ایک دوسرے سے کہیں کہ یہ شخص اسی ایتھنز کا رہنے والا ہے جو سیلمس کی لڑائی سے بھاگ گئے۔ اے عزیز و جلد انتقام لو اور یہ ننگ و عار ہم سے دور کر اور چین سے نہ بیٹھو جب تک کہ اپنا اچھینا ہوا ملک ظالم دشمنوں کے پنجے سے نہ چھڑاؤ“

حالی اس کا یہ خطاب نقل کر کے اپنے قاری کو بتاتے ہیں ”سولن کے ان غیرت انگیز اشعار سے ایتھنز والوں کے دل پر ایسی چوٹ لگی کہ اسی وقت سب نے ہتھیار سنبھال کر سولن کو سپاہ کا سردار اور حاکم مقرر کیا اور سب کے سب مائی گیروں کی کشتیوں میں سوار ہو کر سیلمس پر چڑھ گئے۔ اس کوشش کے نتیجے میں بالآخر ایتھنز والوں نے کامیابی حاصل کر لی اور سیلمس کی لڑائی میں انھیں مسلسل شکستوں کا نشانہ بنانے والے دشمن کے بہت سے لوگ قید ہوئے اور باقی تمام مال و اسباب چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ سیلمس کی بازیابی کے لیے ایک بار پھر ایتھنز پر حملہ ہوا لیکن سولن کے اشعار نے قوم میں جو جوش و خروش پیدا کیا تھا وہ اپنا کام دکھا چکا تھا لہذا ایتھنز والوں کو شکست نہ دی جاسکی ۹۔ یہاں رُک کر شیروں سے شکست کھا کر اپنی قسمت پر راضی ہو جانے والی بھیڑوں کی اس حکایت کو یاد کیا جاسکتا ہے جس میں شکست خوردہ بھیڑوں کی ساتھی ایک بوڑھی بھیڑ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ بھیڑیں تو شیر نہیں بن سکتیں البتہ تدبیر و تدویر سے شیروں کو بھیڑ بنایا جاسکتا ہے۔ صاحب الہام ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ وہ شیروں کی نمیبہ بن کر انھیں وعظ و نصیحت کرنے لگی کہ اپنے برے کاموں سے توبہ کرو، غضب ناکی اور طاقت بدبختی کی علامات ہیں۔ نیک لوگ، گھاس پھوس کھا کر گزارا کر لیا کرتے ہیں، تارک اللحم ہونا خدا کے نزدیک مقبول ہونے کی دلیل ہے۔ دانتوں کی تیزی تم سے تمھارے ادراک کی قوتیں چھین لیتی ہے، کمزور لوگ جنت میں جائیں گے، طاقتور مارے جائیں گے، غربت و افلاس، عظمت و شوکت سے بہتر ہے۔ عقلمند، ذروں کی طرح زندگی گزارتے ہیں، صحرا بننے کی کوشش نہیں کرتے۔ جبر، قہر، اقتدار، انتقام زندگی کو کمزور بنا دیتے ہیں۔ آنکھیں، کان اور ہونٹ بند رکھنا سیکھو تاکہ تم روحانی ترفع حاصل کرو۔ دنیا کی یہ چراگاہ ہیچ ہے اس لیے اس سے دل لگانا نادانی ہے۔ شیر مدتوں کی کشاکش اور جدوجہد سے تھک چکے تھے۔ اس نمیبہ کے وعظ نے اپنا کام دکھایا اور وہ جو گوسفندوں کا شکار کرتے تھے، گوسفندی مذہب پر عمل پیرا ہو گئے۔ گھاس کھانے سے ان کے دانتوں کی تیزی جاتی رہی، آنکھوں سے ہیبت اور دل سے انگلیں رخصت ہو گئیں اور بالآخر ۱۰۔

شیر بیدار از فسونِ میشِ خفت

انحطاطِ خویش را تہذیبِ گفت ۱۰

کچھ ایسا ہی حال ایتھنز والوں کا تھا۔ جب سولن نے ان میں زندگی کی رمت پیدا کی۔ ایتھنز کی فتح کے بعد اس نے قوم کی باگ ڈور سنبھالی اور تمام آزاد شہریوں کو حکومت میں شریک کیا اور ایسے اقدامات کیے کہ ایتھنز کا کوئی شہری قرض کے باعث کسی کا غلام نہ بنایا جاسکے۔ اس نے عوام اور امرا کی مجالس قائم کیں جنہیں آج کی اصطلاحوں میں ہاؤس آف کامنز اور ہاؤس آف لارڈز کہا جاسکتا ہے۔ دو ایک سنگین جرائم کے سوا قتل کی سزا کو محدود کیا۔ یہ قانون بھی بنایا کہ ایسا شہری جو ملک و قوم کی ضرورت کے وقت غیر جانبدار رہنے کی کوشش کرے تمام حقوق شہریت سے محروم کر دیا جائے کیونکہ ہر شہری کا فرض ہے کہ جب ملک و قوم کو اس کی ضرورت ہو وہ خاموش تماشا بننے کی بجائے اپنی صلاحیتوں کے ساتھ ملک و قوم کے کام آئے۔ قانون میں اس امر کی گنجائش رکھی کہ اگر کوئی مظلوم اپنے اوپر ہونے والے ظلم کے خلاف آواز نہیں اٹھاتا تو کوئی دوسرا شہری بھی اس پر ہونے والے ظلم کے خلاف دعویٰ دائر کر سکے گویا یہ عوامی سوموٹو ایکشن کی ایک شکل تھی۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ شہریت کا بہترین نمونہ کونسا ہے تو اس نے کہا کہ جہاں غیر ضرر رسیدہ بھی نا انصاف ظالموں کو اسی سرگرمی کے ساتھ سزا دلوانے میں کوشاں ہو جتنا کہ خود ضرر رسیدہ ۱۱

.....

حالی، جہاں ایتھنز کو ”مدینۃ الحکما“ سمجھتے ہیں وہاں ایتھنز کے دانش وروں کا نقش بھی کامیابی سے ابھارتے ہیں۔ سقراط، بقول حالی ”ایتھنز کا مشہور حکیم ہے جس کو مسیح سے چار سو برس پہلے زہر دے کر مارا گیا“ ۱۲ سقراط کے کردار اور حق پرستی کے جذبے سے تو سب ہی آگاہ ہیں اور اس نے شعور نو کی خاطر زہر بھرا جو جام پینا قبول کیا۔ اس نے اسے حیاتِ دوام عطا کر دی جس کے حالی معترف ہیں۔ حالی نے مسدس میں حکیم لقمان کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ وہ لقمان و سقراط کے درمکنوں..... الخ ۱۳ مسدس میں لقمان و سقراط کا ذکر جس احترام کے ساتھ ہے وہ بھی قابلِ توجہ ہے۔ ارسطو اور افلاطون کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے لہجے میں تنقید و تعریف دونوں پائی جاتی ہیں لیکن یہاں ایسا نہیں۔ ہمارے ادبیات میں عام طور سے جناب لقمان کے نبی ہونے یا نہ ہونے کی بحث ملتی ہے۔ البدایہ والنہایہ میں ایسی روایات کو جو حضرت لقمان کی نبوت کا اثبات کرتی ہیں ضعیف اور غیر ثقہ قرار دیا گیا ہے۔ امرؤ القیس، لبید، اعشیٰ اور طرفہ وغیرہ کے کلام میں لقمان کا ذکر موجود ہے لیکن اندازہ معارف یہود یا انجیل مقدس میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ نبی ہونے یا نہ ہونے کی بحث کو ابن کثیر نے یوں سمیٹا ہے: اختلف السلف فی لقمان هل کان نبیاً او عبداً صالحاً من غیر نبوة علی قولین الا کثرون علی الثانی ۱۴

قدیم عرب میں نصح لقمان کے صحیفے کی موجودگی کا بھی سراغ ملتا ہے، ان کے وہ نصح جو قرآن حکیم نے نقل کیے، معروف ہیں مختلف مصادر، ان کے اوصاف و اخلاقی اقدار کا پتہ دیتے ہیں لیکن ان کی ذاتی زندگی کی تفصیلات ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ قرآن کا تو یہ مضمون ہی نہیں کہ وہ کسی شخص کی سوانح عمری بیان کرے۔ وہ تو واقعات و حوادث کے نتائج سے دلچسپی رکھتا ہے اور ان سے حاصل ہونے والی عبرت و نصیحت کی جانب متوجہ کر کے آگے بڑھ جاتا ہے۔ حالی نے لقمان اور سقراط کی زندگی اور نصح کو پوشیدہ موتیوں سے تشبیہ دی ہے۔ انھوں نے

لقمان کی زندگی کے بارے میں ایک ایسے پہلو کی نشان دہی کی ہے جو ہمیں حالی سے پہلے بلکہ بعد میں بھی اپنے ادبیات میں دکھائی نہیں دیتا۔ حالی نے بتایا ہے کہ لقمان کا تعلق بھی یونان سے تھا اور اسے بھی سقراط کی طرح موت کی سزا دی گئی تھی۔ اہل یونان کی نگاہوں میں سقراط کا جرم بھی ”بے دینی“ تھا اور لقمان کو بھی اسی الزام کی بھینٹ چڑھایا گیا۔ قرآن کا بیان پیش نظر ہو تو لقمان کی توحید پرستی شک و شبہ سے بالاتر ہے، انھوں نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کی ہیں ان میں یہ بات کلیدی حیثیت رکھتی ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ انھوں نے اقامت صلوٰۃ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور مشکل اوقات میں صبر کی تلقین کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر تم رانی کے دانے کے برابر بھی کوئی عمل کرو گے اور وہ آسمانوں یا زمینوں یا کسی چٹان کے اندر بھی پوشیدہ ہوگا تو اسے باریک بین اور باخبر اللہ نکال لائے گا۔ ۱۵۔ اس لیے یونان قدیم کے عقائد کی رو سے اگر انھیں ڈیلفی میں سزائے موت کا سامنا کرنا پڑا ہو تو یہ بات یونان کی سقراطی روایت کے مطابق دکھائی دیتی ہے۔ حالی یہ تکلیف دہ اطلاع دیتے ہوئے کہتے ہیں:

”.....لقمان ایک مشہور حکیم ہے جو مسیح سے تقریباً چھ سو برس پہلے یونان میں ہوا ہے۔ لقمان کی امثال یعنی کہانیاں مشہور ہیں جن کی نسبت یورپ کے مورخ کہتے ہیں کہ انھوں نے وحشیوں کو شائستہ، ظالموں کو رحم دل اور سرکشوں کو فرمان بردار بنایا ہے۔ کہتے ہیں کہ لقمان پر مقام ڈیلفی پر بے دینی کا الزام لگایا گیا تھا اس لیے پہاڑ سے گرا کر مارا گیا۔ ۱۶۔ یہ ایک نادر اطلاع ہے۔ حکیم لقمان کے بارے میں مختلف آرا پائی جاتی ہیں۔ ان کے عرب، افریقی یا یورپین کو Aesop ہونے کے خیالات ظاہر کیے جاتے رہے ہیں۔ یورپین ہونے کے خیال کے حامی انھیں اور ایسوپ May or may not be identified ایک ہی شخصیت قرار دیتے ہیں۔ مولانا عبدالمجید دریابادی نے اکہہ کر دو نوامکانات کی نشان دہی کی ہے انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا نے پانچویں Esop of the Greeks with Esop of the Greeks صدی قبل مسیح کے مورخ ہیروڈوٹس کا بیان نقل کیا ہے جس کے مطابق وہ ایک غلام تھا، پلوٹارک کے مطابق وہ شاہی مشیر تھا۔ ایک روایت کے مطابق اس کا تعلق تھریس سے تھا۔ ایک اور روایت اسے افریقی بتاتی ہے ۱۷۔ مشرقی روایات میں حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، مجاہد، عکرمہ اور خالد الرابی بھی اسی کے حق میں ہیں اس کے علاوہ کے بارے میں بھی مختلف آرا ہیں؛ نوہ، مدین اور ابلہ (موجودہ عقبہ) سے اس کا تعلق بتایا جاتا ہے ۱۸۔ انسائیکلو پیڈیا An Egyptian biography of the 1st century CE places him on the island of Samos as a slave who gained his freedom from his master, thence going to Babylon as riddle solver to King Lycurgus and, finally, meeting his death at Delphi..... 19

مقالہ نگار نے ڈیلفی پر واقع ہونے والی موت کی وجہ بیان نہیں کی، حالی کے بیان کے مطابق لقمان کو سقراط ایسے انجام کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ بات تحقیق کی نئی راہیں کھولتی ہے۔ گویا اگر ایسوپ اور لقمان کی دونوں کو ختم کر دیا جائے ۲۰۔ تو انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، حالی کے بیان کی تصدیق کرتا ہے اگرچہ یہاں ڈیلفی پر واقع ہونے والی

موت کا سبب بیان نہیں کیا گیا۔

مسدس چونکہ مدّ و جزر اسلام کا بیان ہے اس لیے وہ اپنے قارئین کو یہ بتاتے ہیں کہ چھٹی صدی عیسوی میں عرب میں جس انقلاب نے جنم لیا اس نے زمانہ قبل مسیح کے ان دانش وروں کی دانش کو از سر نو دریافت کیا اور اس دریافت نے ان علوم و فنون کو نئی زندگی بخشی جن کے یہ لوگ مدعی تھے۔

پڑی خاک ایتھنز میں جاں یہیں سے

ہوا زندہ پھر نام یونان یہیں سے ۲۱

وہ چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی نگاہوں پر جو منظر ابھرتا ہے وہ خاصا تاریک ہے۔ ان کے نزدیک ماضی میں علوم و فنون عبرانی، نصرانی، یونانی، رومی اور ایرانی تہذیبوں پر منحصر تھے اور اس صدی تک پہنچتے پہنچتے یہ تہذیبیں قصہ ماضی بن چکی تھیں۔ وہ یونانی تہذیب کو دنیا کی بڑی تہذیبوں میں شمار کرتے ہوئے کہتے ہیں

نہ وہ دور دورہ تھا عبرانیوں کا

نہ وہ بخت و اقبال نصرانیوں کا

پراگندہ دفتر تھا یونانیوں کا

پریشان تھا شیرازہ ساسانیوں کا

جہاز اہل روما کا تھا ڈمگاتا

چراغ اہل ایراں کا تھا ٹمٹماتا ۲۲

پھر یوں ہوا کہ یونانی فکر کو زوال آ گیا۔ شاعر کے نزدیک زمانے کی گردش سے کسی قوم کو چار نہیں ”کبھی یاں سکندر، کبھی یاں ہے دارا“..... قوموں کا اقتدار، ابدی حکمرانی کی صفات تو نہیں رکھتا۔ جو آج اپنی حکومت ہے تو کل پرانی..... اسی اصول کے تحت اہل یونان کے اقتدار کا چراغ بھی روشن نہ رہا جس کے باعث ان کی فکر کو بھی زوال آ گیا۔ شاعر کا کہنا ہے کہ جب قومی آزادی جاتی رہی تو یونان کچھ نہ رہا، گویا علمی و فکری ترقیاں اسی وقت تک با معنی ہیں جب تک کسی قوم کو آزادی حاصل ہے۔ قومی آزادی سے محرومی کے بعد ظاہر ہونے والے علوم و فنون، غلاموں کے علوم و فنون ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

نہ یونان محکوم ہو کر رہا کچھ

نہ ایراں تاج اپنا کھو کر رہا کچھ ۲۳

شاعر کو یونان اور اہل یونان کی علم دوستی سے تو دلچسپی ہے لیکن ان کی جہت فکر سے وہ متفق دکھائی نہیں دیتا گویا ان کے نزدیک بھی ”زمانے میں فقط مردانِ حرکی آنکھ ہے بینا“..... یہ اختلاف صرف مسدس ہی میں

نہیں اس کی شاعری کی دوسری اصناف میں بھی جلوہ گرد کھائی دیتا ہے یہاں چونکہ ہمارا موضوع صرف مسدس ہے اس لیے دوسری اصناف سے صرف ایک شعر دیکھ لیجیے۔ وہ اس موچی کو جو اپنے فن میں کامل ہو، مشائیوں اور اشراقیوں سے بہتر قرار دیتا ہے۔

کمال کفش دوزی علم افلاطون سے بہتر ہے

یہ وہ نکتہ ہے سمجھے جس کو مشائی نہ اشراقی ۲۵

مشائی وہ تھے جو ارسطو کے طریق تعلیم کی پیروی کرتے ہوئے چل پھر کر علم حاصل کرتے تھے اور اشراقی فلاسفہ کا وہ مکتب فکر تھا جس کے نزدیک حواس ظاہری کی بجائے کشف کے ذریعے علم حاصل کرنا چاہیے۔ حالی ان دونوں کے طریقے کو ناقص قرار دیتے ہوئے کسی بھی فن میں کمال حاصل کرنے کو اختیار کردہ طریقے پر فائق قرار دے رہے ہیں۔

اس تاثر کے پہلو بہ پہلو ایک دوسرا رخ بھی ہے، یہ یونانی فلسفے سے شاعر کا اختلاف ہے۔ شاعر چونکہ علم کو ایک زندہ وجود کی طرح سمجھتا ہے جو مسلسل آگے بڑھتا ہے اس لیے وہ ان لوگوں کو تنقید کا نشانہ بناتا ہے جن کے نزدیک علوم کی وہی شکل حرف آخر تھی جہاں تک اسے یونانیوں نے پہنچا دیا تھا۔ حالی کے نزدیک بدلے ہوئے زمانے میں یونانی فلسفے میں کھوئے رہنا، دھوکے کی ٹٹی میں مبتلا ہونا ہے اور اہل یونان کی فکر، تقویم پارینہ سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ وہ ان لوگوں پر تنقید کرتے ہیں جو یونان کے اندھے مقلد ہیں جن کے نزدیک اہل یونان ہی کا فرمایا ہوا مستند ہے۔ وہ نئی روشنی سے مستنیر ہونے کی بجائے زمانہ قبل مسیح کے یونان کو زبور، توریت، انجیل اور قرآن سے بڑھ کر سمجھتے ہیں اور ان الہامی کتابوں کے مقابلے میں اہل یونان کے قیاسی علوم کے ایک ایک شوشے پر ایمان رکھتے ہیں۔ حالی ایسے لوگوں کو کولھو کے نیل سے تشبیہ دیتے ہیں جو عمر بھر چلتے رہنے کے باوصف وہیں کا وہیں کھڑا ہوتا ہے جہاں سے اس نے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔

وہ تقویم پارینہ یونانیوں کی

وہ حکمت کہ ہے ایک دھوکے کی ٹٹی

یقین جس کو ٹھہرا چکا ہے نکمی

عمل نے جسے کر دیا آ کے ردی

اسے وحی سے سمجھے ہیں ہم زیادہ

کوئی بات اس میں نہیں کم زیادہ

زبور اور توریت وانجیل و قرآن

بالاجماع ہیں قابل نسخ و نسیاں

مگر لکھ گئے جو اصول اہل یونان
نہیں نسخ و تبدیل کا ان میں امکاں
نہیں مٹتے جب تک کہ آثار دنیا
مٹے گا کبھی کوئی شوشہ نہ ان کا ۲۶

اس آخری شعر میں استعمال کیے گئے لفظ ”شوشہ“ کی وضاحت کرتے ہوئے حالی لکھتے ہیں کہ ”اس لفظ سے انجیل کی اس عبارت کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں عیسیٰ فرماتے ہیں کہ جب تک آسمان اور زمین نہ ٹلیں گے، توریت کا ایک لفظ یا ایک شوشہ نہ ٹلے گا یعنی حکمائے یونان کی کتابوں کے قبعین ان کتب کو بھی گویا ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ حضرت عیسیٰ نے توریت کی نسبت فرمایا ہے ۲۷

یونان پرستی مسلمانوں میں بھی کم نہ تھی۔ حالی، عمومی طور پر دنیا کی تمام ماضی پرست قوموں پر اور خصوصی طور پر اپنے مخاطب مسلمانوں پر تنقید کر رہے ہیں جو محض یونان پرستوں ہی پر نہیں ہرزمانے کے ان رجعت پسندوں پر تنقید ہے جو علوم کی آگے بڑھتی زندگی پر یقین نہیں رکھتے اور بطل پرستی میں مبتلا رہتے ہیں۔ بطل پرستی کی روایت بھی اہل یونان سے ملتی ہے، حالی کے مطابق جن کے ہاں رواج تھا کہ جب کوئی بڑا آدمی مرجاتا تھا تو وہ اس کا بت بنا کر اس کی پوجا شروع کر دیتے تھے جس کے نتیجے میں سیکڑوں معبودوں اور ہزاروں دیوتاؤں نے جنم لیا اور انسانی عقیدتیں کثرت کی بھول بھلیوں میں پریشان ہو کر رہ گئیں۔

اس لیے حالی، یونان کی تمام ترمذی کے باوصف اپنے قاری کو علوم جدیدہ کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا زمانہ مغربی علوم و ترقیات کی چکا چونڈ کا زمانہ تھا۔ اس لیے وہ اپنے قاری کو مغربی علوم و فنون کی جانب متوجہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مغرب نے جن علوم و فنون سے دنیا کو آشنا کیا ہے، اب ان کی عمر سو برس ہونے کو ہے لیکن متعصب اذہان ان کی جانب دیکھنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ یہ بھی ایک سطح تھی اس سے آگے بڑھ کر ”مسدس کا شاعر جب اپنی خودی میں ڈوب کر ابھرا تو یہ حقیقت اس پر منکشف ہو چکی تھی کہ قوم کی اصلاح و ترقی کے لیے مغرب کی اندھی تقلید درکار نہیں، اسلام کی ابدی تعلیمات اور تہذیبی اقدار ماضی کی طرح آج بھی ہماری ملی بقا و ارتقا کی ضامن ہیں“ ۲۸

حالی قدیم نظام تعلیم کے پروردہ عالم ہیں۔ وہ یونانی علوم اور تہذیب کے مداح ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ علوم کا نیا منہاج دریافت کرنے پر یقین رکھتے ہیں اور ماضی پرستی میں مبتلا اذہان پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے

دلوں پر ہیں نقش اہل یونان کی راہیں

جو اب وحی اترے تو ایماں نہ لائیں ۲۹

جیسا کہ مسدس کا ہر قاری جانتا ہے کہ حالی، علوم کی تاریخ میں ارسطو اور افلاطون کے کردار کے معترف ہیں۔ ارسطو کی تعلیم اور سولن کے قانون کو سراہنے والے حالی، اپنے قاری سے ارسطو کا تعارف کرواتے ہوئے جہاں

اسے یہ بتاتے ہیں کہ ”ارسطو، یونان کا مشہور حکیم ہے، سکندر کا استاد اور افلاطون کا شاگرد، مسیح سے ۳۲۲ برس پہلے ۶۳ برس کی عمر میں مرا“ ارسطو کی تعلیم سے قاری کو متعارف کروانے کے لیے مزید لکھتے ہیں ”حکماء اسلام ارسطو کو معلم اول اور ابوالنصر فارابی کو معلم ثانی کہتے ہیں۔ اسی لیے ارسطو کے افادات کو تعلیم کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا ہے“ ۳۰ وہاں وہ چھٹی صدی عیسوی میں دنیائے علوم میں آنے والے انقلاب کی نشان دہی کرتے ہوئے ارسطو اور افلاطون کے علوم کا یوں اعتراف کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

ارسطو کے مردہ فنون کو جلایا
فلاطون کو زندہ پھر کر دکھایا
ہر اک شہر و قریہ کو یونان بنایا
مزا علم و حکمت کا سب کو چکھایا ۳۱

ان کے نزدیک ارسطو کے مردہ فنون کو جلا بخشنا اور افلاطون کو آگہی کی روشنی میں لا کر متعارف کروانا، زمانے کو خواب گراں سے جگانے کے مترادف ہے۔ اگر کوئی قاری، ان مفکرین کی تاریخی حیثیت اور فکر انسانی کے ارتقا میں ان کے کردار کو سراہنے کا یہ مطلب لے کہ شاعر کو ان کے جملہ افکار سے بھی اتفاق ہے تو اس کا یہ نتیجہ درست نہیں ہوگا۔ شاعر کی نگاہ دور تک دیکھتی ہے اور اس کے نزدیک تاریخ علوم کے سنگ ہائے میل کو جاننے اور پہچاننے کے ساتھ علوم کے سفر کو آگے بڑھنا چاہیے۔ ایسے میں ماضی کے کسی سنگ میل سے چمٹے رہنا، علوم کے تسلسل کے لیے مفید نہیں ہوگا۔ چنانچہ وہ اپنے اس ترقی پسندانہ نظریے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اب اس فلسفہ پر جو ہیں مرنے والے
شفا اور مجسطی کے دم بھرنے والے
ارسطو کی چوکھٹ پہ سردھرنے والے
فلاطون کی اقتدا کرنے والے
وہ تیلی کے کچھ بیل سے کم نہیں ہیں
پھرے عمر بھر اور جہاں تھے وہیں ہیں ۳۲

یہاں علوم کی ترقی کے باب میں حالی کا غیر متعصبانہ کردار ملاحظہ ہو کہ وہ ارسطو اور افلاطون کے تمام تراعات کے باوصف جہاں ان سے چپکے رہنے والوں پر تنقید کر رہے ہیں وہاں انھوں نے مشرقی علوم میں بھی ماضی پرستی کی مخالفت کی ہے۔ ان اشعار میں ارسطو اور افلاطون، مغربی تہذیب کے نمائندوں کے طور پر ظہور کرتے ہیں تو شفا علوم کے قدیم مشرقی خزانوں کی جانب اشارہ کر رہی ہے۔ حالی کی یہی ترقی پسندی ہے جس کے باعث وہ اپنے مخالفین کی تنقید کا نشانہ بنے۔ ان کے ایک مخالف نے حالی کے اس زاویہ نظر کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے لکھا:

شفا و تجسلی کے سر نہاں سے
جو واقف ہے واقف ہے راز جہاں سے
سپہر کو اکب سے دورِ زماں سے
ملائک سے، انسان کے جسم و جاں سے
وہ لبریز ہے نورِ ہر معرفت سے
خداوند کے علمِ ذات و صفت سے
جو شرح ہیں وہ کتابوں کے اندر
ہیں ایراد کرتے سب اپنے متوں پر

نیز یہ کہ

شفائیں رقم ہے رسالت پہ برہاں
وہ لائے گا حجت جو ہوگا شفا داں ۳۳

شفا بوعلی سینا کی کتاب کا نام ہے جو فنونِ حکمت کی جامع ہے اور اس کی اٹھارہ جلدیں ہیں ۳۴ اسی طرح تجسلی حکیم بطیموس کی کتاب ریاضی میں ہے، جس کو محقق طوسی نے عربی میں ترجمہ کیا ہے ۳۵ زمانہ چونکہ ان کتابوں سے بہت آگے جا چکا ہے اس لیے، حالی ان کتابوں کو تاریخ کے ایک بیتے ہوئے سنگِ میل کے طور پر تو دیکھتے ہیں ان پر تنکیر کرنے کو مناسب نہیں سمجھتے۔ اس لیے وہ ایسے تمام لوگوں کو کولھو کے نیل سے تشبیہ دیتے ہیں جو ماضی پر تنکیر کر کے جدید علوم سے صرف نظر کرنے کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔

یہاں رک کر آئین اکبری کی تصحیح کرنے پر غالب سے سرسید کے تقریظ نگاری کے مطالبے کو یاد کر لیا جائے جس کے جواب میں غالب نے سرسید کی فرمائش کی تعمیل نہیں کی تھی اور ان کی کاوش کی تعریف کرنے کی بجائے انھیں مخاطب کر کے کہا تھا کہ

مبداء فیاض را مشمر بنخل
نوز می ریزد رطب ہازان نخل
مردہ پروردن مبارک کار نیست
خود بگوکان نیست جز گفتار نیست ۳۶

اور پھر سرسید کی مساعی کا رخ عمر بھر کے لیے بدل گیا تھا۔ حالی اسی قافلے کے ایک فرد ہیں۔ ان کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ اپنے ماضی سے مضبوطی کے ساتھ منسلک رہتے ہوئے مستقبل پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ اس

قافلے کے شدید ترین نقاد اکبر الہ آبادی نے بھی کہا تھا کہ

اٹھو تہذیب سیکھو، تجربے سیکھو، ہنر سیکھو ۳۷

حالی ایک حقیقت پسند نقاد ہونے کے ناتے خود اپنی زندگی کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں تو وہ خود کو ابھی انہی مراحل سے گزرتا ہوا پاتے ہیں، جن مراحل کی نشان دہی وہ اپنی مسدس میں کر رہے ہیں۔ کولھو کے بیل کی جو مثال انھوں نے ماضی پرستوں کے لیے استعمال کی ہے، ان کے نزدیک وہ صرف دوسروں ہی کے لیے مخصوص نہیں بلکہ وہ اپنی ابتدائی زندگی کو بھی اسی آئینے میں دیکھتے ہیں۔ جب ان کی نگاہ محض قدیم پر مرکوز تھی اور وہ جدید سے دور اور نفور تھے چنانچہ لکھتے ہیں:

”میں برس کی عمر سے چالیسویں سال تک تیلی کے بیل کی طرح اسی ایک چکر میں پھرتے رہے اور اپنے نزدیک سارا جہان طے کر چکے۔ جب آنکھیں کھلیں تو معلوم ہوا کہ جہاں سے چلے تھے اب تک وہیں ہیں۔“

شکست رنگ شباب و ہنوز رعنائی

در آن دیار کہ زادی ہنوز آنجائی“ ۳۸

حالی کے سوانح سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہوں گے کہ انھوں نے اپنے دور طالب علمی میں جنگ آزادی سے دو تین سال پہلے جب ابھی ان کی عمر غالباً اٹھارہ برس کی تھی، عربی میں ایک کتاب لکھی تھی۔ اس کتاب کا مسودہ، اپنے استاد کو رائے زنی کے لیے دیا۔ یہ مختصر کتاب یا رسالہ ایک منطقی مسئلے میں پرانے خیالات کی تائید میں لکھا گیا تھا، رسالہ اگرچہ نہایت لیاقت سے لکھا گیا تھا لیکن استاد نے نہایت ناراضگی کا اظہار کیا یہاں تک کہ اسے چاک کر دیا ۳۹

نظری طور پر تنقید کرنا اور بات ہے اور اپنے فن پر اس کا عملی اطلاق کر کے دکھانا دوسری۔ پہلی بات جس قدر آسان ہے دوسری بات اسی قدر دشوار اور فن کار کے حقیقی رویے کا اظہار کرنے والی ہوتی ہے حالی اس امتحان میں بھی کامیاب ہیں انھوں نے اپنے خیالات فقط نظری طور پر ظاہر نہیں کیے بلکہ ان کا اطلاق خود اپنے فن پر کر کے دکھایا ہے اپنی اس شاعری کے اس رنگ کو جسے وہ قدیم کہتے ہیں اس بنا پر رد کر دیا کہ اب زمانے کو اس کی ضرورت نہیں۔ اپنے اس کلام کو رنگ قدیم قرار دیتے ہوئے انھوں نے زمانے کے تقاضوں کے مطابق شاعری کی اور اپنے اس رویے پر کس عمدگی سے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں

اب ٹھیرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں ۴۰

مسدس حالمیں یونان اور اہل یونان کی سب سے بھرپور اور روشن تصویر وہ ہے جو اس کے ضمیمے میں ابھاری گئی ہے۔ اس تصویر میں یونان کی ترقی اور نیک نامی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے اسباب تلاش کیے

گئے ہیں۔ حالی جو انفرادی مقاصد کے حصول کے لیے گزاری جانے والی زندگی کو پسند نہیں کرتے اور فرد کی صلاحیتوں کو قومی زندگی کی امانت سمجھتے ہیں، اہل یونان کی ترقی کا راز تلاش کرتے ہوئے اسی بات کو ان کی ترقی کا راز بتاتے ہیں۔ ان کے نزدیک اہل یونان کی ترقیوں کا رہبر کلمہ حق تھا ۴۱ اس کے ساتھ دنیا بھر کی تاریخ علوم میں نیک نامی پانے کا سبب یہ تھا کہ ان کے ہاں قومی زندگی کو انفرادی زندگی پر ترجیح دی جاتی تھی۔ افراد قوم میں ربط و ضبط باہم تھا اور ان کے ہاں ایک دوسرے کی قدر کا جذبہ پایا جاتا تھا۔ ان کے مقاصد میں بڑائی اور ارادوں میں بلندی تھی اور کوئی چھوٹا بڑا اس سے خالی نہ تھا۔ وہ لوگ جو قوم کے اجتماعی مفاد کی خاطر کام کرتے تھے، قوم انھیں سر آنکھوں پر بٹھاتی اور جیتے جی ان کی قدر کرتی تھی۔ صرف یہی نہیں بعد از مرگ ان کے ساتھ قوم کی عقیدت و محبت بڑھتی چلی جاتی تھی۔ وہ ہنر کے میدان میں آگے بڑھنے والے اپنے وطن سے محبت کرنے والے اور تہذیب و شناسائی کے جویا تھے۔

ترقی کے یونان کی اسباب کیا تھے

ہنر پر جہاں پیرو برنابدا تھے

تمدن کے میدان میں زور آزما تھے

وطن کی محبت میں یکسر فنا تھے

مقاصد بڑے اور ارادے تھے عالی

نہ تھا اس سے چھوٹا بڑا کوئی خالی ۴۲

ان کی نظر میں یہ بات بہت اہم ہے کہ قوم، اپنے اہل کمال کی قدر کرے۔ اہل کمال کی قدر سے دراصل قومی زندگی کا سفر آگے بڑھتا ہے بصورت دیگر اہل کمال مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں قوم کا جوہر ماند پڑ جاتا ہے۔ حالی اہل یونان کی ترقیوں کے پس منظر میں جھانک کر یہی خبر لاتے ہیں کہ ان کی ترقی کا سبب اہل کمال کی قدر دانی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

سبب کچھ نہ تھا اس کا جز قدر دانی

کہ ہوتے تھے جو علم و حکمت کے بانی

ترقی میں کرتے تھے جو جانفشانی

حیات ان کو ملتی تھی واں جاودانی

وطن جیتے جی ان پہ قرباں تھا سارا

پس از مرگ پہنچتے تھے وہ آشکارا ۴۳

گویا حالی یہاں اہل وطن کی جانب سے عمر بھر سنگ زنی کرنے اور مرنے کے بعد اعزاز سے دفنانے کے

رویے پر تنقید کر رہے ہیں۔ ان کے مطابق اہل یونان کے ہاں اہل کمال کی قدردانی کا سلسلہ ان کی زندگیوں تک محدود نہ تھا بلکہ ان کی قدردانی کا یہ سلسلہ اہل کمال کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی جاری رہتا تھا۔ جیتے جی اگر وہ سر آنکھوں پر بٹھائے جاتے تھے تو حالی کے بقول ان ”کا دستور تھا کہ جو شخص اہل کمال مرجاتا اس کو دیوتا قرار دے کر اس کی پرستش کیا کرتے تھے“ ۴۴۔ اگرچہ اس رویے میں غایت درجہ قدر کا احساس موجزن دکھائی دیتا ہے لیکن بہر حال یہ قدردانی کی ظاہری سطح ہے، حقیقی قدردانی تو ان کے اجتماعی احساس کی توقیر ہے بالآخر جس کا نتیجہ قومی امور میں دلچسپی کے فروغ کی صورت نکلتا ہے اور کارگاہ ہستی میں قوموں کی زندگی اور بقا کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں۔ تاریخی اعتبار سے اس خیال کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں اقوام ماضیہ کے اس رویے کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ”ان اولئک اذا کان فیہم الرجل الصالح فمات بنوا علی قبرہ مسجداً وصوروا فیہ ۴۵..... ان لوگوں کا حال یہ تھا کہ اگر ان میں کوئی مرد صالح ہوتا تو اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر پر یہ مسجد گاہیں بناتے اور اس کی تصویریں تیار کرتے تھے.....

حالی ایک صاحب نظر عالم ہیں۔ وہ یقیناً اس روایت سے آگاہ ہوں گے۔ انھوں نے یہاں یونانیوں کے اس رویے کو مذہبی اعتبار سے نہیں بلکہ حوصلہ افزائی کے عمومی مضمون کے طور پر شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ جب قوم اپنے باصلاحیت لوگوں کی قدر کرتی ہے تو اس کا مستقبل تابناک ہو جاتا ہے۔ اگر باصلاحیت لوگ، ناقد ری، حسد، بغض اور رقابتوں ہی کا شکار ہو کر رہ جائیں تو پھر نہ صرف یہ کہ ان کی ذہانتوں اور صلاحیتوں سے ملک و قوم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ وطن سے ذہانتوں کے انخلا کو بھی کوئی نہیں روک سکتا:

اسی گر نے تھا جوش سب کو دلایا
کہ تھا اک جزیرے نے رتبہ یہ پایا
اسی شوق نے تھا دلوں کو بڑھایا
اسی نے تھا یونان کو یونان بنایا
اس امید پر کوششیں تھیں یہ ساری
کہ ہو قوم کے دل میں عظمت ہماری ۴۶

حالی کے کاموں میں مسدس کے علاوہ مقدمے میں بھی یونان کے ذکر کا ذکر ہوا۔ ایک شاعر کی حیثیت سے حالی شاعری کی تاثیر کا مضمون بیان کرتے ہوئے بھی یونان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ہمیں لارڈ بائرن کی ایک بے مثال نظم سے متعارف کرواتے ہیں۔

لارڈ بائرن نے 'Childe Harold's Pilgrimage' کے نام سے ایک طویل نظم لکھی تھی ۴۷۔ یہ نظم چار حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا اور دوسرا کینٹو ۱۸۱۲ء میں اور تیسرا ۱۸۱۶ء میں جبکہ چوتھا ۱۸۱۸ء میں شائع ہوا لیکن لارڈ

بارن کی شاعرانہ عظمت کو پہلے دو کیٹوز کی اشاعت کے بعد ہی تسلیم کر لیا گیا تھا۔ نظم میں بچہ دور وسطیٰ کی ایک علامت ہے جو اپنی بے مقصد زندگی میں مسرت کا جو یا ہے۔ یہ بچہ بیرونی دنیا کی تسخیر کے تنہا سفر پر نکلتا ہے۔ پہلے دو حصے اس کے پرتگال، سپین، البانیہ اور آئینک آئی لینڈ کے اسفار کا حال بیان کرتے ہیں۔ اور اس کا اختتام یونان پر عثمانی ترکوں کے قبضے پر نوے سے ہوتا ہے۔ تیسرے حصے میں مسافر، بلجیم کے سفر پر روانہ ہوتا ہے رائن ویلی الپ اور جورا Rhine Valley, the Alps, and the Jura سفر کے ہر مرحلے پر اس خطے کے عوام اور تاریخ کی پکار سنائی دیتی ہے۔ چوتھے حصے میں تخیلاتی مسافر، شاعر کے اپنے روپ میں ظہور کرتا ہے اور شاعر وینس، فرارا (Ferrara)، فلورنس اور روم کے بارے میں بات کرتا ہے۔ یہ آخری دو حصے اس کی شاعری کے بہترین نمونے سمجھے جاتے ہیں جن میں اس کا تاریخی شعور نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے اور وہ ایک مکمل یورپی شاعر بن کر ابھرتا ہے۔ وہ ایک ایسا تخلیقی فن کار ہے جو رومانیت اور کلاسیکیت کے درمیان ڈولتار ہتا ہے اس کی تخلیقی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے اقبال نے بارن کے بارے میں کیا عمدہ نظم لکھی ہے۔

مثال لالہ و گل شعلہ از زمین روید
اگر بناک گلستان تراود از جاش
نبود در خور طبعش ہوائے سر دفرنگ
تپید پیک محبت ز سوز پیغامش
خیال اوچہ پرینانہ بنا کرد است
شباب غش کند از جلوہ لب بامش
گذاشت طائر معنی نشین خود را
کہ سازگار تر افتاد حلاقہء دامش ۴۸

اگر اس کے جام سے گلستان کی مٹی میں (کچھ شراب) ٹپکے تو زمین سے لالہ و گل کی طرح شعلہ پیدا ہو جائے۔ اس کے مزاج کو فرنگستان کی خنک (بے سوز) آب و ہوا اس نہ آئی (مگر) اس کے پیغام کے سوز سے محبت کا قاصد تڑپ اٹھا۔ اس کی فکر نے کیا پری خانہ بنایا ہے کہ اس میں جلوہ لب بام سے شباب بھی ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ معنی کے پرندے نے اپنا نشمین چھوڑ دیا کہ اسے بارن کے دام کا حلقہ زیادہ پسند آ گیا ہے۔

لارڈ بارن نے یونانیوں کے لیے صرف نظم ہی نہیں لکھی بلکہ وہ یونانیوں کی جنگ آزادی میں شرکت کرنے کے لیے برطانیہ سے یونان آیا۔ یہاں آکر اسے بخار نے آن لیا جس کے نتیجے میں وہ عین عالم شباب میں جب کہ اس کی عمر محض چھتیس (۳۶) برس تھی، میسولوجی کے مقام پر اپریل ۱۸۲۴ء میں راجی ملک عدم ہوا۔ یونانی آج بھی اسے اپنا قومی ہیرو قرار دیتے ہیں۔ لارڈ بارن کی یونانیوں سے محبت کو دیکھیں تو اہل پاکستان سے محمد اسد کے

تعلق کی یاد آتی ہے۔ آسٹریا سے تعلق رکھنے والا یہ سابق یہودی، اسلام قبول کرنے کے بعد ہندوستان آ کر یہاں کی تحریک آزادی میں شرکت کرتا ہے۔ غلام ہندوستان کے مسلم عوام کو ان کی دانش اور تاریخ یاد دلاتا ہے۔ علمی اور فکری سطح پر گراں قدر خدمات انجام دیتا ہے، صرف یہی نہیں عملاً بھی تحریک آزادی میں کردار ادا کرتا ہے۔ تقسیم ہند کے موقع پر لٹے پٹے قافلوں کا نگہبان بن کر انھیں آرزوؤں کی سرزمین، پاکستان میں لے کر آتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد کشمیر کی جنگ میں خود محاذ جنگ پر موجود رہ کر خدمات انجام دیتا ہے۔ برطانوی پاسپورٹ کو ٹھکرا کر پاکستانی پاسپورٹ کے حصول پر اصرار کرتا ہے اور یوں سرکاری طور پر پہلا پاکستانی ہونے کا اعزاز حاصل کرتا ہے۔ سفارتی سطح پر اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی کا فریضہ انجام دیتا ہے، پاکستان کی دستور سازی میں اپنا کردار ادا کرتا ہے..... کاش ہم بھی اس کی ویسی ہی قدر کریں جیسی یونانی، لارڈ بائرن کی کرتے ہیں۔

لارڈ بائرن، یونانیوں کا مداح اور خیر خواہ ہے اس نے اپنی نظم 'Childe Harold's Pilgrimage' میں یونانیوں کو آزادی حاصل کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اہل یونان نے دنیا کو جس علم و فضل سے متعارف کروایا اور دنیا بھر کے ادبیات پر جو اثرات مرتب کیے، دنیا نے اس کا کما حقہ اعتراف نہیں کیا۔ وہ اپنی نظم میں فرانس، انگلستان اور روس کو بہ طور خاص متوجہ کرتا ہے۔ اس کے خیال میں عالمی سطح پر یونانیوں کو جو مدد حاصل ہونی چاہیے تھی، وہ دنیا نے اسے فراہم نہیں کی۔ اس لیے وہ ان ممالک پر تنقید کرتا ہے لیکن اہل یونان کو خود انحصاری کا درس دیتا ہے تاکہ وہ اپنے علم و فن سے متاثر ہونے والے ممالک سے کوئی امید رکھنے کی بجائے اپنے تیشے سے اپنا راستہ تراشیں۔ حالی، لارڈ بائرن کی زندگی اور اس کے فن کی اسی جہت سے متاثر ہیں۔ وہ اس نظم کی تاثیر کو شاعری کی تاثیر پر محمول کرتے ہیں اور شاعری نے دنیا کی تاریخ میں جو معجزے دکھائے ہیں، اسے ان معجزوں کی ایک مثال قرار دیتے ہیں۔ بائرن جب مغربی ممالک اور روس کو یونان کے احسانات یاد دلاتا ہے تو اس کی بنیاد سراسر مذہبی ہے کہ اس کے مخاطب تمام ممالک گریک چرچ کے پیروکار ہیں۔ دلچسپ بات ہے کہ ہمارے وطن عزیز کا اساسی تصور بھی ایک شاعر ہی نے پیش کیا اور الہ آباد کے خطبے کی بنا بھی سراسر مذہبی ہے۔ اگر حالی، دنیا کی تاریخ کے اس نا درواقعے کو دیکھتے تو ضرور اسے بھی شعر کی تاثیر کے باب میں درج کرتے۔ تاثیر شعر کے اس مضمون اور یونان سے دلچسپی کے باعث حالی، لارڈ بائرن کی نظم سے اردو دنیا کو متعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

”۱۸۱۲ء میں اس نظم کی اشاعت ہوئی جس کے سبب بائرن کی شاعری کی تمام یورپ میں دھوم ہو گئی اور انگریز ان کی نظم پر مفتون ہو گئے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ فرانس، انگلستان، اٹلی، آسٹریا اور روس میں اس نظم نے وہ کام کیا جو آگ، بارود پر کرتی ہے۔ جس وقت یونان نے ٹرکی سے بغاوت اختیار کی، یورپ کا متفقہ بیڑا فوراً اس کی کمک کو پہنچا۔ ۱۸۲۷ء میں متفقہ بیڑے نے ترکوں کے بیڑے کو شکست دی اور ٹرکی کو یونان کے آزاد کرنے پر مجبور کیا گیا اور اس کی آزادی کو تمام یورپ نے تسلیم کر لیا اور تھو ایک ڈنمارک کا شہزادہ یونان کا بادشاہ بنایا گیا اور یونان میں پارلیمنٹ قائم کی گئی“ ۹..... انتہا.....

آخر میں دو امور کی وضاحت بے جا نہ ہوگی؛ اول اس مضمون میں استعمال کیے گئے متن سے متعلق اور دوسرے فرہنگ کے اندراجات کو حالی سے منسوب کرنے سے متعلق۔

اس مضمون میں مسدس کا جو متن استعمال کیا گیا ہے وہ تاج کمپنی کا شائع کردہ ہے۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی مرحوم نے بڑی قابلیت کے ساتھ کلام حالی کی تدوین کی تھی۔ انھوں نے اسی اشاعت کو بنیادی نسخہ قرار دے کر اپنی مرتبہ کلیات میں درج کیا ہے۔ ۵۰ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہم نے اس تحریر میں مسدس حالی کے آخر میں درج فرہنگ کے بیانات کو حالی سے منسوب کیا ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ مسدس کی اولین اشاعت ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ء) میں ہوئی تھی۔ یہ اشاعت خود حالی کی نگرانی میں ہوئی۔ اس اشاعت میں مصنف نے وضاحت طلب امور کی صراحت پا ورق میں کی ہے۔ مسدس ۱۸۸۰ء میں دوسری بار اور متعدد تراجم اور اضافوں کے ساتھ ۱۸۸۶ء میں تیسری بار شائع ہوئی۔ یہ اشاعتیں اب نایاب ہیں۔ ڈاکٹر افتخار صدیقی مرحوم نے بھی پہلی اشاعت سے بالواسطہ استفادہ کیا تھا ۵۲۔ خوبی قسمت سے یہ اشاعت ہمارے پیش نظر ہے۔ ہم نے اس کے متن کو اس لیے استعمال نہیں کیا کہ حالی نے اس میں معتد بہ تبدیلیاں اور اضافے کر دیے تھے۔ ۱۸۸۹ء کی اشاعت میں جہاں سرورق کی عبارت میں تبدیلی آگئی وہاں اس میں ضمیمہ نو ترتیب اور فرہنگ کا اضافہ بھی کیا گیا ۵۳۔ یہ اشاعت بھی ہمارے پیش نظر ہے۔ پہلی اشاعت میں جو حواشی پا ورق میں تھے وہ بہ تمام و کمال کتاب کے آخر میں یکجا بہ عنوان ”فرہنگ“ درج کر دیے گئے اور اس مقصد کی صراحت کے لیے ایک نوٹ لکھا گیا جو بعد کی اشاعتوں سے غائب ہے۔ بعد کی اشاعتوں سے نہ صرف یہ نوٹ غائب ہو گیا بلکہ بہت سے ناشرین نے فرہنگ کو بھی اضافی سمجھ کر نکال دیا جس سے بعض مرتبین مسدس کو بھی غلط فہمی ہوئی اور جس نے متن کے مسائل کو بھی جنم دیا۔ یہ نوٹ نہ صرف آثار حالی میں ایک تبرک کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ حالی کے اصول فرہنگ نویسی سے بھی متعارف کر داتا ہے نیز اس حقیقت پر بھی مشعر ہے کہ یہ حواشی حالی ہی کے رقم فرمودہ ہیں اس لیے یہ نوٹ، حواشی میں بہ تمام و کمال درج کر دیا گیا ہے۔ ۵۴

حواشی:

- ۱۔ چودھری سر شہاب الدین مسدس حالی دا پنجابی ترجمہ لاہور: میسرز عطر چند کپور ۱۹۳۱ء
- ۲۔ الطاف حسین حالی مسدس حالی لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ س۔ ن۔ ص ۱۳۴
- ۳۔ ڈاکٹر شاہد مختار بقراط لاہور: شاہد پبلی کیشنز س۔ ن۔ ص ۱۴
- ۴۔ مسدس حالی ص ۱۱۰
- ۵۔ ایضاً ص ۱۲
- ۶۔ ایضاً ص ۳۱

- ۷۔ محمد لطیف جمعہ تاریخ فلاسفۃ الاسلام مترجمہ ڈاکٹر میر ولی الدین، کراچی: نفیس کمپنی ۱۹۸۷ء: ص ۱۳۳
- ۸۔ مسدس حالی ص ۱۵۷
- ۹۔ الطاف حسین حالی مقدمہ شعر و شاعری لکھنو: الناظر پریس، س۔ن۔ ص ۶۵
- ۱۰۔ اقبال، حکایت درین معنی کہ مسئلہ نفی خودی از مختصات اقوام مغلوبہء بنی نوع انسان است کہ بہ این طریق مخفی، اخلاق اقوام غالبہ را ضعیف می سازند کلیات اقبال لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، فروزی ۱۹۹۰ء ص ۳۱
- ۱۱۔ سید ہاشمی فرید آبادی تاریخ یونان قدیم علی گڑھ: مطبع انسٹی ٹیوٹ: س۔ن۔ ص ۸۲
- ۱۲۔ مسدس حالی ص ۱۵۷
- ۱۳۔ ایضاً ص ۳۱
- ۱۴۔ ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم ۴۴۳/۳ و دیگر بحوالہ دانش گاہ پنجاب اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور: پنجاب یونیورسٹی ۱۹۸۵ء جلد ۱۸ ص ۱۲۸، ۱۲۹
- ۱۵۔ ۳۱ لقمان ۱۳-۶۱۵
- ۱۶۔ مسدس حالی ص ۱۵۷
- ۱۷۔ Tafsir Ul Qur'an Karachi: Darul Ishaat 2014 Vol 2 Part III & IV p315
- ۱۸۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن لاہور: ادارہ ترجمان القرآن اکتوبر ۱۹۹۴ء جلد چہارم ص ۱۴، ۱۳
- ۱۹۔ www.britannica.com/biography/Aesop
- ۲۰۔ مولانا سید سلیمان ندوی کی رائے اس سے مختلف ہے دیکھیے: تاریخ ارض القرآن اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن ۱۹۹۲ء جلد اول ص ۱۶۶
- ۲۱۔ مسدس حالی ص ۳۱
- ۲۲۔ ایضاً ص ۲۵
- ۲۳۔ ایضاً ص ۱۱۳
- ۲۴۔ بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر کہ دنیا میں فقط مردانِ حرکی آنکھ ہے بینا
- اقبال کلیات اقبال لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز جون ۱۹۹۶ء ص ۳۱۶

- ۲۵۔ مولانا طاف حسین حالی کلیات نظم حالی مرتبہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی لاہور: مجلس ترقی ادب ۱۹۶۸ء
جلداول ص ۱۵۴
- ۲۶۔ مسدس حالی ص ۶۷
- ۲۷۔ ایضاً ص ۱۴۵
- ۲۸۔ کلیات نظم حالی مقدمہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی جلد اول ص ۶۲
- ۲۹۔ مسدس حالی ایضاً ص ۶۸
- ۳۰۔ ایضاً ص ۱۳۱
- ۳۱۔ ایضاً ص ۲۷
- ۳۲۔ ایضاً ص ۶۸
- ۳۳۔ قاضی محمد فاروق چریا کوئٹہ المعارف تذکرۃ العلوم مع عوالی جواب مسدس حالی لکھنؤ: مطبع اصح المطابع ۱۳۱۹ھ سے محمد عبدالعلی آسی مدرسی ثم لکھنوی نے شائع کی۔ مشتمل بر ۸۲ بند بحوالہ مقالہ: مسدس مدو جز اسلام کے تین جواب از مبارز الدین رفعت در مجلہ صحیفہ حالی نمبر لاہور: مجلس ترقی ادب جنوری ۲۰۱۵ء۔ جون ۲۰۱۵ء مجلس ادارت: تحسین فراقی، افضل حق قرشی ص ۳۷
- ۳۴۔ مسدس حالی ص ۱۴۴
- ۳۵۔ ایضاً ص ۱۵۲
- ۳۶۔ غالب قصائد و مثنویات فارسی باہتمام غلام رسول مہر لاہور: مجلس یادگار غالب ۱۹۶۹ء بہرہ مثنویات ص ۷۲
- ۳۷۔ اکبر الہ آبادی کلیات اکبر ص
- ۳۸۔ مسدس حالی ص ۲
- ۳۹۔ صالحہ عابد حسین یادگار حالی میر پور آزاد کشمیر: ارسلان بکس س، ن۔ ص ۲۷
- ۴۰۔ کلیات نظم حالی جلد اول ص ۶۷
- ۴۱۔ کلیات نظم حالی جلد اول ص ۴۴۸
- ۴۲۔ مسدس حالی ص ۱۲۱
- ۴۳۔ جائے مذکور
- ۴۴۔ مسدس حالی ص ۳۵
- ۴۵۔ رواہ بخاری، احمد، مسلم، نسائی
- ۴۶۔ مسدس حالی ص ۱۲۱

London: Cassell & Company Limited 189۔ ۴۷

<https://www.britannica.com/topic/Childe-Harolds-Pilgrimage>

'Childe Harold's Pilgrimage

- ۴۸۔ اقبال کلیات اقبال فارسی لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۹۰ء ص ۳۷۰
- ۴۹۔ مقدمہ شعر و شاعری ص ۶، ۷
- ۵۰۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے لکھا ہے: ”تاج کمپنی نے بھی مسدس کا ایک اعلیٰ ایڈیشن شائع کیا تھا۔ مسدس کی ترتیب میں تاج کمپنی کے نسخے کو بنیادی نسخہ قرار دیا گیا ہے.....“ کلیات نظم حالی جلد اول ص ۳۶
- ۵۱۔ اس اشاعت کے سرورق کی عبارت: مسدس حالی مسمیٰ بہ مدو جز را سلام جس کو خاکسار الطاف حسین انصاری پانی پتی مقیم دہلی متخلص بہ حالی نے مسلمانوں کی ترقی اور تنزل کے بیان میں لکھا، دہلی: مطبع مجتہائی بہ اہتمام محمد ممتاز علی مالک مطبع ۱۲۹۶ھ
- ۵۲۔ مرتب کلیات نظم حالی لکھتے ہیں ”سرسید نے پہلے ایڈیشن کے نسخے موصول ہوتے ہی تہذیب الاخلاق (جلد ۱۸۸۰ء) میں پورا مسدس چھاپ دیا تھا۔ تہذیب الاخلاق سے مقابلہ کر کے پہلے ایڈیشن اور ترمیم شدہ نسخے کا فرق حواشی میں ظاہر کر دیا گیا ہے.....“ مقدمہ کلیات نظم حالی جلد اول ص ۳۶
- ۵۳۔ دہلی: مطبع مرتضوی بہ اہتمام حافظ محمد عزیز الدین ۱۸۸۹ء
- ۵۴۔ ملاحظہ ہو: ”اس سے پہلے مسدس کے جتنے ایڈیشن چھپے ان میں ہر صفحہ کے نوٹ اس کے نیچے لکھے گئے تھے مگر چونکہ مسدس کا ہر بند تین سطر سے کم میں نہیں آ سکتا اور تینوں سطروں کا ایک ہی صفحہ میں آ جانا ضروری ہے، اس سبب سے متن اور حاشیہ کی تقسیم ہر صفحہ میں ٹھیک ٹھیک نہ ہو سکتی تھی۔ اسی واسطے اب کی بار یہ فرہنگ کتاب کے اخیر میں لگائی گئی ہے۔ اس میں حواشی سابقہ کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے الفاظ اور محاورات کے معنی لکھے گئے ہیں جو ہندوستان کے بعض اطراف میں نہیں بولے جاتے اور نیز جن شعروں میں کوئی شرح طلب بات دیکھی گئی ان کی شرح بھی کی گئی۔ ناظرین کو چاہیے کہ جن لفظوں کے معنی دیکھنے ہوں ان کو عام فرہنگوں کے قاعدہ کے موافق اپنی اپنی ردیف میں دیکھیں لیکن جس بند میں بہت سے لفظ شرح طلب ہوں اس کے لیے بند کے پہلے مصرع کا پہلا لفظ نکالنا چاہیے۔ اسی کے ذیل میں بند کے تمام الفاظ ملیں گے اور اگر کسی خاص مصرع یا شعر کے معنی دیکھنے ہوں تو خاص اسی مصرع یا شعر کے پہلے لفظ کو دیکھنا چاہیے۔ اور جس بند یا شعر میں کسی حدیث یا آیت کا مضمون بیان کیا گیا ہے اگر اس کو دیکھنا ہو تو بھی اس بند یا شعر کا پہلا لفظ دیکھنا چاہیے مثلاً ”آل غالب“ کو الف کی ردیف میں اور ”برتاؤ“ کو بے کی ردیف میں دیکھنا چاہیے اور غرناطہ، بلنسیہ، بطیموس، قادس، اشیلیہ، اور قرطبہ کو ردیف ہائے ہوز میں دیکھنا چاہیے کیونکہ جس بند میں یہ نام آئے ہیں اس کا پہلا مصرع ہائے ہوز سے شروع ہوا ہے

یعنی (ہویدا ہے غناطہ سے شوکت ان کی) یا مثلاً اس مصرع کی شرح کہ (سلیمان نے کی جس کی حق سے تمنا) ردیف سین میں دیکھنی چاہیے۔

یہ بھی معلوم ہے کہ جن لفظوں کے متعدد معنی آتے ہیں فرہنگ میں ان کے اسی قدر معنی لکھے گئے ہیں جس قدر مسدس میں مراد لیے گئے ہیں اور باقی کو چھوڑ دیا گیا ہے اور اگر لفظ کے معنی اصل وضع میں کچھ اور، اور اردو کے محاورہ میں کچھ اور ہیں تو فرہنگ میں صرف وہی معنی لکھ دیے ہیں جو مسدس میں مراد لیے گئے ہیں خواہ وہ اصل لغت کے مخالف ہوں یا موافق۔ چونکہ مقصود یہ ہے کہ مسدس کے مضامین ہر شخص سمجھ سکے اس لیے فرہنگ میں بہت سے سہل اور آسان لفظ بھی اس خیال سے لیے گئے ہیں کہ شاید کسی نواح میں نہ بولے جاتے ہوں، [مسدس حالی طبع ۱۸۸۹ء ص ۱۰۳، ۱۰۴]